ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری
ترجمہ: محمد سہیل عمر

صحت احادیث

جوزف شاخت کی "دلیل سکوت" کا تنقیدی جائزہ

اسلام کے ابتدائی دور کو موضوع تحقیق بنانے والے مغربی اہل علم میں اس مفروضے کو ایک مسلمہ حقیقت کے طور پر مان لیا گیا ہے کہ احادیث نبوی یا اقوال صحابہ کا بہ حیثیت مجموعی کوئی تعلق نہ تو عہد نبوی سے ہے اور نہ عہد صحابہؓ ہی سے، بل کہ روایات کا ذخیرہ بعد کے دور کی پیداوار ہے۔ اس مفروضے کی رو سے احادیث نبوی اور اقوال صحابہؓ کا آغاز اہل علم کی ذاتی آرا کی حیثیت سے ہوا، جنہیں مضبوط بنیاد فراہم کرنے کی غرض سے اسناد کا ایک پورا سلسلہ ایجاد کر لیا گیا۔ پھر ان اسناد میں رفتہ رفتہ ترقی ہوتی رہی، یہاں تک کہ آخر کار ان کو خود رسول اکرم ﷺ کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ مختلف افراد یا مکاتب فکر کے لئے اس عمل کا محرک بہ ظاہر صرف یہی ہو سکتا تھا کہ رسول اکرم ﷺ یا صحابہ کرامؓ سے منسوب ہونے کی وجہ سے ان کی آرا کو قبول و اعتبار حاصل ہو جائے، صاف صاف لفظوں میں کہا جائے تو ان اہل علم کے دعویٰ کا ماحصل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ سے منسوب یہ ذخیرہ وضع و افترا کے ایک طویل و عریض سلسلے کی پیداوار ہے، اگر چہ یہ عمل نیکی اور دین کی خدمت کے جذبے سے انجام دیا گیا۔

(۱)

مغربی اہل علم میں احادیث کے بارے میں منفی انداز کے سوال اٹھانا، بل کہ ان کی صحت کا انکار کرنا کوئی آج کی بات نہیں ہے، انیسویں صدی کے نصف آخر ہی سے الفرڈ فون کریمر (م۱۸۸۹ء) الوے اسپرنگر (م۱۸۹۳ء) ولیم میور (م۱۹۰۵ء) اور تھیوڈور نولڈیکی (م۱۹۳۰ء)

جیسے معروف مغربی اہل علم کی تحریروں میں یہ رجحان کھل کر سامنے آچکا تھا۔(۱) انیسویں صدی کے آخر میں یہ رجحان اگناز گولڈ تسیھر (م ۱۹۲۱ء) کی تحریروں میں پوری شدت اور قطعیت کے ساتھ نہایت بھر پور انداز میں ظاہر ہوا۔ گولڈ تسیھر نے اپنی اہم ترین تصنیف Muhammedanische Studien کی دوسری جلد حدیث کے تنقیدی مطالعے کے لئے مخصوص کی ہے۔ گولڈ تسیھر کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ احادیث نبوی اور آثار صحابہ کی اصل اہمیت یہ ہے کہ وہ دوسری اور تیسری صدی ہجری کے مسلم معاشرے میں لوگوں کے فکری رجحانات اوران کی فقہی آرا معلوم کرنے کا ایک اچھا ذریعہ ہیں، اگرچہ ان کا اسلام کی پہلی صدی سے، جس سے انہیں منسوب کیا گیا ہے، کوئی تعلق نہیں۔ مغربی اہل علم میں اس دعوے کو جلد ہی وسیع پیمانے پر قبول عام حاصل ہوگیا اور موجودہ دور تک پہنچتے پہنچتے صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ اس مفروضے سے اختلاف کرنے والے مغربی اہل علم خال خال ہی نظر آتے ہیں۔(۲)

گولڈ تسیھر کے بعد بھی متعدد مغربی اہل علم نے تاریخ اسلام کی ابتدائی صدیوں کے مطالعے کے سلسلے میں احادیث سے بہ کثرت رجوع کیا ہے۔ ان میں دو نام بہت نمایاں ہیں:

اے جے ونسنک اور جوزف شاخت (م ۱۹۶۹ء)۔

ونسنک نے احادیث کی روشنی میں اسلامی عقائد کے ارتقا کا مطالعہ کیا۔ ونسنک نے مطالعہ وتحقیق کا کم وبیش وہی انداز اختیار کیا جو اس سے قبل گولڈ تسیھر اختیار کر چکا تھا۔(۳) دوسری طرف شاخت کی دل چسپی فقہ اسلامی کے آغاز کی تحقیق سے تھی، جو ان کی تصنیف کے عنوان The Origins of Muhammadan jurisprudence سے واضح ہے۔ حدیث سے شاخت کی اصل دل چسپی کا سبب یہ تھا کہ وہ فقہ کے اصول اور فروع کی تشکیل میں احادیث کے کردار کا تعین کرنا چاہتے تھے۔ شاخت نے صرف گولڈ تسیھر کے قائم کردہ بنیادی مفروضے کی تصدیق پر اکتفا نہیں کیا، بل کہ اس سے بڑھ کر یہ دعویٰ بھی کیا کہ مسلمانوں میں احادیث کو رسول اکرم ﷺ سے منسوب کرنے کا رواج، عام خیال کے برعکس، کافی بعد میں پڑا۔ انہوں نے اس بات کا بھی دعویٰ کیا کہ قانونی مسائل کے بارے میں رسول اکرم ﷺ سے جو احادیث مروی ہیں، ان کی ایک بڑی تعداد ۱۵۰ ہجری کے لگ بھگ (وضع کر کے) لوگوں میں پھیلائی گئی تھی۔ شاخت کے خیال میں یہ وہی دور ہے، جب احادیث کی روایت کا سلسلہ ''تحریری'' صورت میں شروع ہوا تھا۔

شاخت کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص اس بات سے اتفاق کرے گا کہ اس کی تشکیک گولڈ تسیھر سے زیادہ شدید اور جارحانہ ہے۔ اگر شاخت کا ''منہجی قاعدہ'' سامنے رکھا جائے جو انہوں نے صراحتاً بیان کیا ہے تو یہ بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔ شاخت کے یہ قول یہ منہجی قاعدہ گولڈ تسیھر ہی کے نتائج تحقیق سے ماخوذ ہے، ان کے اپنے الفاظ میں یہ قاعدہ مندرجہ ذیل ہے:

......قانونی امور کے بارے میں نبی ﷺ سے مروی کسی حدیث کو جب تک اس کے برعکس ثابت نہ ہو جائے، نبی ﷺ یا صحابہؓ کے دور کے لئے معتبر، یا لازماً معتبر، اگرچہ کسی قدر مبہم بیان کے طور پر درست تسلیم نہیں کیا جائے گا، بل کہ اس بعد کے دور میں تشکیل پانے والے نظریے کا ایک جعلی اظہار قرار دیا جائے گا۔ (۴)

شاخت کا یہ نقطہ نگاہ The Origins of Muhammadan Jurispudence کی اشاعت (۱۹۵۰ء) کے ساتھ سامنے آیا۔ چودہ سال بعد ۱۹۶۴ء میں ان کی دوسری کتاب An Introduction to Islamic Law منظر عام پر آئی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مؤخر الذکر کتاب کی تصنیف تک حدیث کے بارے میں شاخت کی تشکیک میں کچھ مزید شدت پیدا ہو چکی تھی۔ ان کا یہ بیان ملاحظہ فرمائیے:

جہاں تک مذہبی قانون (فقہ) کا تعلق ہے، اس بارے میں شاید ہی کسی حدیث کو قابل اعتماد قرار دیا جا سکے......۔ (۵)

شاخت نے اپنی تحریروں میں یہ نقطہ نظر ثابت کرنے کے لئے اکثر مقامات پر ''دلیل سکوت'' (Argument e silentio) سے کام لیا ہے، اور اس کے سہارے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں ان روایات کا سرے سے کوئی وجود ہی نہ تھا، جو بعد کے دور میں ہمیں احادیث نبوی یا آثار صحابہؓ کی شکل میں ملتی ہیں۔ یہ دلیل، یعنی دلیل سکوت شاخت کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:

کسی معین دور میں ایک حدیث کی عدم موجودگی کا بہترین ثبوت یہ ہے کہ یہ دکھایا جا سکے کہ ایک ایسی قانونی بحث و تمحیص کے دوران جس میں اس حدیث کا بہ طور دلیل پیش کیا جانا ضروری تھا، اسے پیش نہیں کیا گیا، اس صورت میں ہم یہ نتیجہ نکالنے میں اس وجہ سے بھی حق بہ جانب ہیں کہ خود امام محمد بن الحسن شیبانی نے فقہائے اہل مدینہ کے بارے میں یہ الفاظ کہے تھے ''یہ ہے اس معاملے کا صحیح رخ الا

یہ کہ اہل مدینہ (اس کے برعکس) اپنی رائے کے حق میں کوئی روایت پیش کر دیں، لیکن ان کے پاس اس کے حق میں پیش کرنے کے لئے کوئی روایت موجود نہیں ہے۔ اگر ان کے پاس کوئی روایت ہوتی تو وہ اسے ضرور پیش کر چکے ہوتے"۔ بنا بریں اطمینان کے ساتھ یہ فرض کر سکتے ہیں کہ فقہی احکام سے تعلق رکھنے والی وہ روایات جن سے ہم یہاں تعرض کر رہے ہیں، انہیں رواج دینے کے فوراً بعد ہی وہ لوگ ان روایات کو ضرور پیش کر دیتے جن کی آرا کی تائید ان روایات (کے وضع کرنے) کا مقصود تھا۔(۶)

جہاں تک اس دلیل کے عملی اطلاق کا تعلق ہے، شاخت اپنی ہی عائد کردہ اس شرط کو بعض کو بعض اوقات فراموش کر دیتے ہیں: "ہر اس حدیث کو اس زمانے میں معدوم سمجھا جائے گا جس میں اس حدیث کو کسی ایسی بحث میں بہ طور دلیل استعمال نہ کیا گیا ہو جہاں اس کا پیش کیا جانا ضروری تھا"۔(۷) شاخت نے اپنی پیش کردہ دلیل کو جس بے ہنگم شدت کے ساتھ استعمال کیا ہے، اس پر اگر نظر ڈالیں گے تو یہ فرض کرنا پڑے گا کہ دوسری اور تیسری صدی ہجری کے مسلمان اہل علم ہمہ وقت فقہی بحث و مباحثے میں مشغول رہتے تھے، اور یہ ایک ایسا مفروضہ ہے جس کا عقل سلیم کے لئے قبول کرنا محال ہے۔

زیر نظر صفحات میں ہم جو کچھ پیش کر رہے ہیں اس کا اصل مقصد احادیث کی صحت کے حق میں دلائل فراہم کرنا نہیں ہے، اور نہ ہم یہاں صحت احادیث کے بارے میں شاخت کی مجموعی رائے ہی سے تعرض کرنا چاہتے ہیں۔ ان موضوعات پر راقم الحروف کی تحریروں میں کافی کچھ آچکا ہے اور متعدد دوسرے اہل علم بھی اس موضوع پر بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ لہٰذا جہاں تک اس مقالے کا تعلق ہے، اس میں ہماری معروضات شاخت کی پیش کردہ "دلیل سکوت" کے تنقیدی جائزے تک ہی محدود رہیں گی، کیوں کہ اسی دلیل کو شاخت نے احادیث کی صحت کے مشتبہ بنانے، بل کہ ان کو ساقط الاعتبار قرار دینے کے لئے بنیاد کے طور پر استعمال کیا ہے۔

(۲)

شاخت کی کتاب The Origins of Muhammadan Jurisprudence کے سرسری مطالعے ہی سے یہ بات پوری طرح سامنے آجاتی ہے کہ ان کا

قائم کردہ منہجی قاعدہ اوران کے طریق استدلال دونوں میں مبالغے کا رنگ غالب ہے۔شاخت کی دلیل پر غور وفکر سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ان کی دلیل صرف اس صورت میں درست اور قابل قبول ہوسکتی ہے، جب مندرجہ ذیل مفروضات درست مان لئے جائیں:

۱۔ یہ کہ پہلی اور دوسری صدی ہجری میں جب بھی کوئی فقہی رائے کہیں بھی لکھی جاتی تھی تو اس کے تائیدی دلائل، بالخصوص اس فقہی رائے کی تائید کرنے والی احادیث وآثار بھی لازماً درج کردیے جاتے تھے۔

۲۔ یہ کہ وہ احادیث جو کسی ایک فقیہ (یا محدث) کے دائرہ علم میں تھیں، وہ لازماً اس زمانے کے دوسرے فقہا (اور محدثین) کے دائرہ علم میں بھی تھیں۔

۳۔ یہ کہ کسی خاص دور میں جو احادیث ''رائج'' تھیں، ان سب کو مناسب انداز میں وسیع پیمانے پر متعارف کرادیا گیا تھا، اورانہیں محفوظ بھی کرلیا گیا تھا، لہٰذا اگر کسی معروف عالم کی تحریروں میں کوئی ایسی حدیث، جس کا تعلق کسی ایسے موضوع سے ہو جس پر اس نے اظہار خیال کیا ہے، نہ ملے تو اسے اس بات کا ثبوت سمجھا جائے گا کہ اس دور میں وہ حدیث نہ صرف اس مصنف کے علاقے میں، بل کہ اسلام کی پوری قلم رو میں بھی موجود نہ تھی۔

یہ سب مفروضات قبول کرنا قطعاً ممکن نہیں، کیوں کہ تاریخی شواہد ان میں سے کسی ایک مفروضے کی بھی تائید نہیں کرتے بل کہ اس کے برعکس یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان میں سے ہر مفروضہ اس دور کے ثابت شدہ حقائق کے خلاف ہے۔

احادیث کی وہ قدیم ترین کتب جو آج ہماری دست رس میں ہیں، ان کا تعلق دوسری صدی ہجری کے وسط اوراس کے بعد کے زمانے سے ہے۔(۸) ان کتابوں کی تالیف میں متعدد محرکات کارفرما تھے۔ان کی تالیف کا ایک مقصد اسلاف کی آرا کا جمع کرنا تھا، بالخصوص ان آرا کا جن کو کسی مؤلف کے علاقے یا مکتبِ فکر میں عمومی قبولیت حاصل تھی۔ بنابریں اس زمانے میں بسا اوقات ایک مؤلف اپنے مکتب فکر کی فقہی آرا ایک جا کردیتا تھا لیکن ان احادیث نبوی یا اقوال صحابہؓ کے اندراج کا التزام نہیں کرتا تھا جن سے ان آرا کی تائید ہوتی تھی۔بعض اوقات اہل علم اپنی کتابوں میں اپنی ذاتی یا اپنے مکتب فکر کی فقہی آرا کے ذکر پر ہی اکتفا کرتے تھے،اور کبھی کبھی ان آرا کے متعلق احادیث نبوی اورآثار صحابہ بھی درج کردیتے تھے۔بہ ہر کیف یہ امر لازمی خیال نہیں کیا جاتا تھا۔(۹)

یہ بات کسے معلوم نہیں کہ اس دور کی تصانیف میں، اور اس دور کے بعد کی تصانیف میں بھی اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ قرآن مجید سے مستنبط احکام تو بیان کر دیے جاتے تھے، لیکن اس بات کا اہتمام نہیں کیا جاتا تھا کہ ان آیات قرآنی کا بھی ذکر کر دیا جائے جن سے وہ احکام مستنبط کئے گئے تھے، یا کئے جا سکتے تھے۔ (۱۰) اس بات کی بہت سی شہادتیں پیش کی جا سکتی ہیں کہ یہی صورت حال احادیث کے سلسلے میں بھی تھی، بہت سی ایسی مثالیں بھی ہیں کہ ایک فقیہ نے کسی فقہی مسئلے پر اپنے مکتب فکر کی آرا مدون کیں لیکن اس حدیث کا حوالہ دینے کی طرف کوئی توجہ نہ کی جو مسئلہ زیر بحث سے متعلق تھی یا جس سے خود اس کی اپنی رائے کی تائید ہوتی تھی۔ متعدد ایسی مثالیں ہیں کہ متعلقہ حدیث کا وجود اور اس حدیث کا اس فقیہ کے علم میں ہونا پوری طرح ثابت ہے۔ (۱۱)

اگر ایسی تمام احادیث جمع کر دی جائیں جو ہماری قدیم ترین کتب میں موجود ہیں، مگر بعد کے زمانے کی تصانیف میں نظر نہیں آتیں تو یہ خود اپنی جگہ ایک دل چسپ مطالعہ ہوگا، دوسرے لفظوں میں اگر ہم شاخت کی مذکورہ دلیل الٹ کر اس کا اطلاق کریں گے تو گمان غالب یہ ہے کہ اس سے حیران کن نتائج سامنے آئیں گے۔ ہم نے اس مقالے میں شاخت کی دلیل کا ایک محدود پیمانے پر اطلاق کر کے دیکھا ہے اور اس سے بعض عجیب وغریب نتائج سامنے آئے ہیں، اس طریق کار کے اطلاق سے دو باتیں خاص طور پر سامنے آتی ہیں:

اولاً احادیث کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو قدیم تصانیف میں موجود تھی لیکن دوسری معاصر کتب کا تو ذکر ہی کیا، دور مابعد کی کتب میں بھی ان کا سراغ نہیں ملتا۔

ثانیاً مذکورہ عہد کے فقہا اپنے آپ کو ہرگز اس بات کا پابند نہیں سمجھتے تھے کہ ان تک جو احادیث پہنچی ہوں وہ ان سب کا حوالہ ضرور دیں، اور وہ ان کے ذکر کی پابندی ان مسائل میں بھی نہیں کرتے تھے جہاں وہ احادیث ان کی اپنی یا ان کے فقہی مکتب فکر کی آرا کی تائید کرتی تھیں۔

اگر یہ دونوں باتیں ثابت کی جا سکتی ہیں تو شاخت کی بنیادی دلیل بری طرح مجروح ہو جاتی ہے اور ان کے استدلال کی پوری عمارت آپ سے آپ منہدم ہو جاتی ہے۔

(۳)

زیر نظر صفحات میں ہم دوسری صدی ہجری کے بعض فقہا کے قانونی موضوعات میں سے چند ایک کا تقابلی جائزہ پیش کرتے ہیں، تاکہ ان کی روشنی میں شاخت کے مفروضوں کا جائزہ لیا

جاسکے۔ اس مطالعے کے آغاز کے لئے ہم نے موطا کے دو نسخے منتخب کئے ہیں، یعنی موطا امام مالکؒ اور موطا امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ۔ موطا امام مالکؒ کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ یہ فقہائے مدینہ کی قانونی آرا کا ذخیرہ ہے اور اس کا شمار حدیث کے ابتدائی مدون و مرتب مجموعوں میں بھی ہوتا ہے۔ امام مالکؒ (ولادت ۹۵ھ) مالکی فقہ کے بانی ہیں، ان کا زمانہ امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ سے متعد بہ قبل کے دور سے ہے۔ امام شیبانیؒ کی ولادت ۱۳۲ھ کی ہے اور ان کا تعلق امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کے فقہی مذہب سے ہے۔ امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ نے امام مالکؒ کی موطا کا ایک نسخہ تیار کیا تھا، اس نسخے میں انہوں نے امام مالکؒ کی روایت کردہ احادیث اور ان کی فقہی آرا کے علاوہ وہ آرا بھی درج کی ہیں جو امام شیبانیؒ کے اپنے فقہی مسلک کے مطابق اور امام مالکؒ کے مسلک سے متعارض ہیں۔ کبھی کبھی امام شیبانیؒ نے اپنے مذہب کی آرا کا ذکر کرنے کے بعد ان کی تائید کرنے والی احادیث بھی اس میں شامل کی ہیں۔

ان تمہیدی باتوں کے بعد آیئے! اب موطا امام مالکؒ اور موطا امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ کا تقابلی مطالعہ کریں۔ اس مطالعے سے یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ امام مالکؒ کی موطا میں احادیث کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو ہمیں امام شیبانیؒ کی موطا میں نظر نہیں آتی، اگرچہ امام شیبانیؒ کا زمانہ امام مالکؒ کے بعد کا ہے۔ (۱۲) اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بسا اوقات وہ احادیث جو خود امام شیبانیؒ کے مسلک اور ان کی آرا کی مؤید ہیں، وہ ہمیں موطا امام مالکؒ میں تو ملتی ہیں، لیکن امام شیبانیؒ کی موطا میں نہیں ملتیں۔ ذیل کی چند مثالیں دیکھئے:

۱۔ موطا امام مالکؒ میں اوقات نماز کے بارے میں ۱۳ روایات ہیں (۱۳) جب کہ موطا امام شیبانیؒ میں ان میں سے صرف تین روایات مذکور ہیں۔ (۱۴)

۲۔ نماز فجر کے افضل وقت کے بارے میں اہل مدینہ اور اہل کوفہ کا اختلاف معروف ہے، اہل مدینہ نماز فجر غلس یعنی قدرے اندھیرے میں پڑھنے کے قائل تھے اور اہل کوفہ اسفار یعنی قدرے روشنی میں نماز پڑھنے کو ترجیح دیتے تھے۔ موطا امام شیبانیؒ (۱۵) میں اہل کوفہ کی اس رائے کا ذکر ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ امام شیبانیؒ نے اپنی موطا میں اس حدیث نبوی کا کوئی حوالہ نہیں دیا جو موطا امام مالکؒ (ص ۴ و مابعد) میں موجود ہے اور جس سے امام شیبانیؒ کے اپنے مذہب کی رائے کی تائید ہوتی ہے۔ (۱۶)

۳۔ اس مسئلے پر کہ مس ذکر سے نقض وضو واقع ہوتا ہے یا نہیں؟ موطا امام مالکؒ (۱۷) میں

چھ روایات ہیں۔ ان میں سے صرف دو روایات موطا امام شیبانیؒ میں ملتی ہیں (۱۸)، ان غیر موجود روایات میں سے ایک روایت کی نسبت رسول اکرم ﷺ سے ہے اور دوسری روایت کی حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے۔

۴۔ غسل جنابت کے مسئلے پر مؤطا امام مالکؒ میں چار روایات ہیں (۱۹)، ان میں سے صرف ایک روایت موطا امام شیبانی میں شامل ہے (۲۰)۔ موطا امام مالکؒ کی ان چار میں دو روایات رسول اکرم ﷺ سے مروی ہیں۔

۵۔ موطا امام مالکؒ میں ''غسل المرأۃ اذا رأت فی المنام'' کے عنوان کے تحت دو روایات ہیں (۲۱)، جب کہ موطا امام شیبانیؒ میں صرف ایک روایت پائی جاتی ہے (۲۲)۔ مؤخر الذکر مجموعے میں جو روایت شامل نہیں، وہ حدیث نبوی ہے اور اس کی اسناد یہ ہے: مالک، ام سلمیٰ، ام سلیم، نبی ﷺ۔

۶۔ ''الوضوء من القبلۃ'' کا باب موطا امام مالکؒ میں تو موجود ہے (۲۳)، مگر موطا امام شیبانیؒ میں یہ پورا باب موجود نہیں۔

۷۔ ''الطہور من الماء'' کا باب موطا امام مالکؒ میں موجود ہے (۲۴)، مگر موطا امام شیبانیؒ میں موجود نہیں۔

۸۔ اسی طرح ''البول قائماً'' اور ''السواک'' کے ابواب بھی موطا امام مالکؒ میں موجود ہیں (۲۵)، لیکن موطا امام شیبانیؒ میں موجود نہیں۔

۹۔ موطا امام مالکؒ کے حصے ''النداء فی الصلوٰۃ'' (۲۶) کا، اگر موطا امام شیبانیؒ (۲۷) سے مقابلہ کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ موطا امام مالکؒ کی متعدد روایات: مثلاً ۱، ۳، ۵، ۶، ۷، ۹ موطا امام شیبانیؒ میں موجود نہیں ہیں۔

۱۰۔ موطا امام مالکؒ میں ''کفن المیت'' کا حصہ (۲۸) تین روایات پر مشتمل ہے، ان میں سے موطا امام شیبانیؒ میں صرف ایک روایت موجود ہے، یعنی روایت ۷، ص ۱۶۲۔ یہ روایت حضرت عبد اللہ بن عمروؓ بن العاص سے مروی ہے۔ جو دو احادیث موجود نہیں ہیں ان میں سے ایک میں رسول اکرم ﷺ کی تکفین کا بیان ہے۔

۱۱۔ موطا امام شیبانی میں ''زکوٰۃ الفطر'' (۲۹) کے تحت حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی وہ روایت موجود نہیں ہے جو موطا امام مالکؒ کے ص ۲۸۳ پر ہمیں نظر آتی ہے۔

۱۲۔موطاامام مالک کی جو روایتیں ''من لاتجب علیہ زکوۃ الفطر'' کے عنوان کے تحت مندرج ہیں اور جو ''مکیلۃ زکوۃ الفطر'' (۳۰) کے تحت آتی ہیں، ان میں سے کوئی روایت موطا امام شیبانیؒ میں موجود نہیں۔

۱۳۔''استیذان البکر الایم'' کے باب میں موطا امام مالکؒ میں تین روایات ہیں (۳۱)، جب کہ موطا امام شیبانیؒ میں صرف ایک روایت ملتی ہے (۳۲)، جو دو روایات مؤخر الذکر کتاب میں مفقود ہیں ان میں سے ایک حدیثِ نبوی ﷺ ہے۔(۳۳)

۱۴۔موطا امام شیبانیؒ کا ''لعان'' کا حصہ (۳۴) کئی ایسی روایات سے خالی ہے جو موطا امام مالکؒ کے حصہ ''لعان'' (۳۵) میں موجود ہیں۔

۱۵۔بیع تمور کی ممنوع صورتوں کا بیان موطا امام شیبانیؒ میں صرف ایک روایت پر مشتمل ہے (۳۶) جب کہ موطا امام مالکؒ میں اسی مسئلے پر تین روایات پائی جاتی ہیں اور تینوں کی سند رسول اکرم ﷺ تک جاتی ہے۔(۳۷)

یہی صورت حال اس وقت بھی سامنے آتی ہے جب ہم اسی نقطہ نظر سے امام ابو یوسفؒ اور امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ کی تصانیف، بالخصوص کتاب الآثار ابو یوسفؒ اور کتاب الآثار امام شیبانیؒ کا موازنہ کرتے ہیں۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ امام ابو یوسف کا انتقال ۱۸۴ھ میں ہوا اور امام شیبانی کا ۱۸۹ھ میں، اور اگر امام ابو یوسفؒ اور امام شیبانیؒ کے سال ہائے پیدائش بھی پیش نظر رکھے جائیں (جو بالترتیب ۱۱۳ھ اور ۱۳۲ھ ہیں) تو یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ امام ابو یوسفؒ امام شیبانیؒ سے عمر میں خاصے بڑے تھے، لہٰذا یہ بات قرین قیاس ہے کہ امام شیبانیؒ کی تصانیف کا زمانہ امام ابو یوسفؒ کی آخری عمر کا زمانہ ہو۔ یہ اس بات کے علاوہ ہے کہ امام شیبانیؒ کی متعدد تصانیف امام ابو یوسفؒ کی تصانیف پر مبنی، بل کہ ان سے ماخوذ ہیں۔ ان باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل حقائق پر توجہ فرمائیے۔

کتاب الآثار ابو یوسفؒ میں شامل روایات کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو کتاب الآثار امام شیبانیؒ میں موجود نہیں ہے، باوجودے کہ مؤخر الذکر کے مؤلف یعنی امام شیبانیؒ کا زمانہ امام ابو یوسفؒ سے قدرے بعد کا ہے۔(۳۸)

☆ کتاب الآثار ابو یوسفؒ کی روایت نمبر ۸۴۵، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے اور اس کا تعلق مضاربہ سے ہے، یہ روایت کتاب الآثار امام شیبانیؒ میں موجود نہیں۔

☆ کتاب الآثار ابو یوسفؒ، روایت نمبر ۸۳۰ رسول اکرم ﷺ کی ایک حدیث ہے جس کا تعلق بائع اور مشتری کے درمیان قیمت پر اختلاف سے ہے، یہ حدیث کتاب الآثار امام شیبانیؒ میں موجود نہیں ہے۔

☆ کتاب الآثار ابو یوسفؒ، روایت نمبر ۶۶۶ حضرت عمرؓ سے مروی ہے جس کا تعلق طلاق اور عدت سے ہے، یہ روایت کتاب الآثار امام شیبانیؒ میں موجود نہیں ہے۔

☆ ''نفقہ'' اور ''سکنی'' کے مسئلے پر کتاب الآثار ابو یوسفؒ میں متعدد روایات ہیں۔ دیکھئے روایات ۵۹۲، ۶۰۸، ۷۲۶ اور ۷۲۸۔ ان میں سے کوئی بھی روایت کتاب الآثار امام شیبانیؒ میں موجود نہیں ہے۔

☆ کتاب الآثار ابو یوسف کی روایات نمبر ۷۰۴، ۷۰۷، ۷۰۹ لعان سے تعلق رکھتی ہیں، یہ روایات بھی کتاب الآثار امام شیبانیؒ میں موجود نہیں۔

☆ ''ظہار'' سے متعلق کئی روایات کتاب الآثار ابو یوسف میں موجود ہیں جو کتاب الآثار امام شیبانیؒ میں شامل نہیں۔

☆ ''مزارعۃ'' کے متعلق سالمؒ کی روایت کتاب الآثار ابو یوسفؒ میں حدیث نمبر ۷۵۷ پر ہے جب کہ وہ کتاب الآثار امام شیبانیؒ میں موجود نہیں۔

☆ ''فرائض'' سے متعلق کتاب الآثار ابو یوسفؒ کی روایات نمبر ۷۷۹، ۷۸۰ کتاب الآثار امام شیبانیؒ میں موجود نہیں ہیں۔

☆ کتاب الآثار ابو یوسفؒ کی روایات ۳۳۹، ۴۰۱، ۵۹۷، ۶۰۷ وغیرہ جو متفرق موضوعات سے متعلق ہیں، کتاب الآثار امام شیبانیؒ میں موجود نہیں ہیں۔ (۳۹)

مذکورہ بالا بحث اور موازنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام ابو یوسفؒ کی کتاب الآثار کی روایات امام شیبانیؒ کے علم میں تھیں مگر اس کے باوجود کتاب الآثار ابو یوسفؒ کی بعض روایات امام شیبانیؒ کی تالیف میں شامل نہیں ہیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے شاخت کے اختیار کردہ منہاج تحقیق کے اس بنیادی مفروضے کی بنیادیں ہل جاتی ہیں، جس کے سہارے انہوں نے ''احادیث کی افزائش'' کا کلیہ بڑے زور شور سے پیش کیا ہے، اس سلسلے میں شاخت نے مندرجہ ذیل تین امکانات سرے سے نظر انداز کر دیئے ہیں، جب کہ صورت حال یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا احتمال موجود ہے۔

۱۔ کسی شخص تک ایک روایت پہنچی ہو، مگر بعد میں وہ اس کے حافظے سے محو ہو گئی ہو۔ (۴۰)

۲۔ کسی شخص تک وہ روایت پہنچی ہو مگر اس کی نظر میں اس کی صحت مشکوک ہو، اس لئے اس نے اس کا ذکر یا اندراج نہ کیا ہو۔

۳۔ اس شخص کے علم میں وہ روایت ہو، مگر آج جو تالیفات ہماری دست رس میں ہیں، ان میں اس روایت کا سراغ موجود نہیں، مسلم تہذیبی سرمائے پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ فقہ و حدیث کا پورا ذخیرہ ہم تک منتقل نہیں ہو سکا، بل کہ گردش لیل و نہار بے شمار کتابوں کے ضیاع کا سبب بنی، یہ بات خاص طور پر ان علما اور فقہا کے بارے میں درست ہے جن کا تعلق اسلام کے ابتدائی دور سے ہے، ان شواہد کی روشنی میں اس بات کے باور کرنے کے قوی اسباب موجود ہیں کہ بعض روایات نسبتاً ابتدائی دور کے فقہا و محدثین کے زمانے میں موجود تھیں، لیکن مرور ایام کے ساتھ وہ تلف ہو گئیں اور آج وہ روایات متداول کتابوں میں موجود نہیں ہیں۔

ان تمام باتوں کو درخور اعتنا نہ سمجھنا اور اپنے قائم کردہ مفروضے کے خلاف پائے جانے والے تمام شواہد کو بلا کسی معقول سبب کے مسترد کر کے اپنی مبالغہ آمیز تشکیک پر اڑے رہنا کسی طرح پختہ کار اور محتاط اہلِ علم کو زیب نہیں دیتا۔

حواشی

۱۔ دیکھئے ظفر اسحاق انصاری "The Early Development of Islamic Fiqh in Kufah with Special Reference to the Works of Abu Yusuf and Shaybani" (کوفے میں اسلامی فقہ کا ابتدائی نشو و ارتقاء، بہ حوالہ تصانیف ابو یوسف و شیبانی) مقالہ برائے پی ایچ ڈی، ادارہ مطالعات اسلامی، میکگل یونیورسٹی، مونٹریال، ۱۹۶۶ء، ص ۱۹۳ و مابعد، نیز متعلقہ حواشی

خود مسلمانوں میں حدیث کے بارے میں تشکیل کا جو رجحان پیدا ہوا، اس کا جائزہ لینے کے لئے دیکھئے G.H.A. Juynboll, The Authenticity of th Tradition

Literature· Discussions in Modren Egypt, Leiden: Brill 1969.

Muhammedanische Studien کی دو جلدیں بالترتیب ۱۸۸۹ء اور ۱۸۹۰ء میں شائع ہوئیں، اس کتاب کا انگریزی ترجمہ Muslim Studies کے نام سے ۱۹۶۷ء میں لندن سے شائع ہو چکا ہے۔

۲۔ اس معاملے میں بعض اہل علم کو مستثنیٰ قرار دینا ضروری ہے، اس میں سب سے نمایاں نام نابیہ ایبٹ کا ہے، اس موضوع پر ان کی کتاب ہے Studies in Arabic Literary Papuri II: Qur'anic Commentary and Tradition, Chicago, 1967 اس کتاب میں نابیہ ایبٹ نے حدیث کے ابتدائی دور کے بارے میں اتنی وافر اور قیمتی معلومات فراہم کردی ہیں کہ انہیں سامنے رکھتے ہوئے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ مستشرقین کا قائم کردہ مفروضہ نہ صرف مبالغے پر مبنی ہے بل کہ اس کی کوئی مضبوط بنیادیں نہیں ہیں۔ بعض مسلمان اہل علم نے بھی مغربی زبانوں میں اپنی تصانیف میں مختلف پہلوؤں سے اس مفروضے کی تردید کی ہے، مثال کے طور پر ملاحظہ ہو، فواد سیزگن کی کتاب Geschichte des Arabischen Schrifitums, Vol.1, Leiden, 1967. ، ان دو مصنفین کی تحریروں کی اہمیت کے بارے میں دیکھئے C.J. Adams, "Islamic Religious Tradition" in leonard Binder,ed, The Study of the Middle East, New York: 1976, pp.66-69 ، نیز ملاحظہ ہو: M. M. Azami, Studies in Early Hadith Literature, Indianapolis: American Trust Publications, 1978.

گولڈ تسیہر اور شاخت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اور ان ہی رویوں پر مبنی ایک اور کتاب بھی شائع ہو چکی ہے، دیکھئے G.H.A.Juynboll, Muslim Tradition in Chronology, Provenance and Authership in Early Islam, Cambridge: Cambridge University Press, 1983.

۳۔ اسلامی عقائد کی ابتدائی تاریخ اور اس موضوع کے سلسلے میں احادیث کے کردار کے بارے میں اور بھی تحریریں سامنے آئی ہیں، مثال کے طور پر دیکھئے Josef van Ess, Zwischen

Hadit and Theologie: Studien zum Entstehten Pradistinatianischer Uberlieferung, Berlin und New York, 1975، اسی سلسلے میں دیکھئے Michael Cook, Early Muslim Dogma: A Source-Critical Study, Cambridge: Cambridge University Press, 1981.

۴۔ جوزف شاخت The Origins of Muhammadan Jurisprudence (فقہ اسلامی کا آغاز)، آکسفرڈ، ۱۹۵۹ء، اشاعت سوم، ص ۱۴۹ (آئندہ سطور میں اس کتاب کا حوالہ ''آغاز فقہ'' کے عنوان کے تحت دیا جائے گا)۔

شاید یہ کہنا نامناسب نہ ہو کہ محولہ بالا عبارت کی ژولیدگی، صرف راقم الحروف کے اسلوب کی عکاس نہیں، بل کہ اصل انگریزی عبارت بھی غیر معمولی طور پر پیچیدہ ہے۔ اصل الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

> ....every legal tradition from the Prophet, until the contrary is proved, must be taken not as an authentic or essentially authentic, even if, slightly obscured, statement valid for his time or the time of the Companions, but as the fictitiouns expression of a legal doctrine formulated at a later date.

۵۔ جوزف شاخت An Introduction to Islamic Law (فقہ اسلامی کا تعارف)، لندن: ۱۹۶۴ء، ص ۳۴

۶۔ آغاز فقہ، ص ۱۴۰ و ما بعد

محولہ بالا کتاب کے ص ۱۴۲ پر شاخت نے ایک عنوان قائم کیا ہے: ''اوزاعی اور مالک کے درمیانی عہد میں منظر عام پر آنے والی احادیث''۔ یہاں شاخت کی اپنی پیش کردہ مثال سے اس کے اپنی ہی قائم کردہ مفروضوں میں سے ایک اہم مفروضے کی، جس پر شاخت نے اپنے استدلال کی بنیاد رکھی ہے، تردید ہو جاتی ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس موقع پر خود شاخت نے اس ضرورت کا احساس کیا ہے کہ ''دلیل سکوت کے لئے استعمال میں احتیاط برتنے کی ضرورت ہے''۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ خود اس ضمن میں بعض اوقات اپنے ہی بیان کردہ قاعدوں کی خلاف ورزی کے

مرتکب ہوتے ہیں، یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ شاخت نے پہلی اور دوسری صدی ہجری کی آرا کے مطالعے کے سلسلے میں بعض اوقات وہ ماٰخذ استعمال کئے ہیں جو پہلی صدی کے لئے کافی بعد کے زمانے کے ہیں، یہ ان کے اپنے ہی قائم کردہ منہجی قاعدے (محولہ بالا کتاب، ص۱۴۰) کی کھلی خلاف ورزی کے مترادف ہے۔اس سلسلے میں چند مثالوں کا تذکرہ نامناسب نہ ہوگا۔شاخت نے امام شیبانیؒ کی بیان کردہ ایک دلیل کا حوالہ دیا ہے جو انہوں نے اپنے فقہی مذہب کی رائے کی تائید میں پیش کی تھی۔شاخت نے یہ حوالہ پانچویں صدی ہجری کے اواخر میں ایک تصنیف یعنی سرخسی (م۴۸۳ھ) کی المبسوط سے اخذ کیا ہے۔اس پر تبصرہ کرتے ہوئے شاخت لکھتے ہیں: ''شیبانی نے اس دلیل کو ماہرانہ انداز میں آگے بڑھایا ہے اور یہاں ایک قانونی امتیاز قائم کیا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ وہ دلیل ہے جو فی الواقع شیبانی نے پیش کی تھی'' (آغاز فقہ، ص۲۷۱)، ایک دوسری مثال ملاحظہ فرمائیے: دوسری صدی ہجری کے ابتدائی دور سے منسوب ایک رائے کا حوالہ دینے کے لئے شاخت نے قاضی عیاض (م۵۴۴ھ) کو بنیاد بنایا ہے اور یہ حوالہ زرقانی کی شرح الموطا سے لیا گیا ہے (دیکھئے شاخت کی محولہ بالا کتاب، ص۱۰۷)، ایسی ہی بعض دوسری مثالوں کے لئے ملاحظہ کیجئے: شاخت کی محولہ بالا کتاب کے صفحات ۲۷۳ اور ۳۰۳ وغیرہ۔

۷۔ آغاز فقہ، ص۲۷۱

۸۔ شاخت کے بیان کے مطابق فقہ اسلامی کی تاریخ کا تدوینی یا تحریری دور ۱۵۰ ہجری کے لگ بھگ شروع ہوتا ہے، دیکھئے ان کا مقالہ "Pre-Islamic Background and early Development of Jurisprudence" in M. Khaddurd and J. Liehesney, eds. Law in the Middle East, Washington D.C. 1959, Vol.1, p.50، مارگولیتھ کی رائے بھی بنیادی طور پر یہی ہے: D.S. Margoliouth, The Early Development of Mohammedanism. London, 1914, pp. 39-40، ہماری رائے میں اگرچہ تدوین کتب کا کام اس دور سے کچھ پہلے شروع ہو چکا تھا تاہم اس زمانے میں کچھ ہی تصانیف دست برد سے بچ سکی ہیں، مزید برآں بالکل ابتدائی مجموعے اور کتابیں بالعموم مختصر ہوتی تھیں اور ان میں سے وہ ترتیب اور تنظیم بھی نہ تھی جو بعد کی کتابوں میں پائی جاتی ہے۔جیسے جیسے زیادہ جامع تالیفات سامنے آتی گئیں، ابتدائی دور کی کتب کی ضرورت عملاً کم ہوتی چلی گئی اور ان

میں سے بہت سی کتب رفتہ رفتہ منصۂ شہود سے غائب ہو گئیں۔ احادیث کے ابتدائی عہد کے لئے دیکھئے: فواد سیزگین اور محمد مصطفیٰ الاعظمی کی محولہ بالا کتب۔

۹۔ دیکھئے انصاری، ''کوفے میں فقہ اسلامی کی ابتدائی نشوونما''، ص ۶۲ و مابعد، ص ۲۱۸ و مابعد اور ص ۲۲۵ و مابعد۔

۱۰۔ ایضاً ص ۱۹۲ اور باب ۴، حاشیہ ۵۱

۱۱۔ مثال کے طور پر دیکھئے: امام ابو یوسف۔ کتاب الآثار۔ قاہرہ، ۱۳۵۵ھ: حدیث ۱۰۴۸، اور اس کے مقابلے میں ملاحظہ کیجئے: امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ کی کتاب الآثار کراچی ۱۹۶۰ء کی حدیث ۸۷۸، (ان دونوں کتب کے حوالے میں ہم نے صفحات کا نہیں بل کہ حدیث کے نمبروں کا ذکر کیا ہے)، ان کتابوں کے تقابلی مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے ایک بات کو نبی ﷺ کے ایک قول کے طور پر درج کیا ہے جس کے راوی ابراہیم النخعی ہیں، اسی قول کا اندراج امام شیبانی نے اپنی کتاب الآثار میں کیا ہے، مگر یہ اندراج صرف ابراہیم النخعی کے قول کے طور پر ہے، اور اس ضمن میں رسول اکرم ﷺ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

اسی طرح امام ابو یوسفؒ نے اپنی تالیف ''اختلاف ابی حنیفۃ و ابن ابی لیلی'' (قاہرہ ۱۳۵۸ھ) میں رسول اکرم ﷺ کی ایک حدیث درج کی ہے (ملاحظہ ہو: ص ۷۸، ۷۹) خود ابو یوسفؒ نے جو امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں، اپنی ایک دوسری تالیف کتاب الآثار (حدیث ۷۳۸) میں اسی قول کو صرف امام ابوحنیفہؒ کے قول کے طور پر درج کیا ہے۔

۱۲۔ اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ موطا امام مالکؒ اور موطا امام شیبانیؒ کے مابین یہ موازنہ اور اس سے اخذ کردہ نتائج بلا جواز ہیں، کیوں کہ موطا امام مالکؒ تو دراصل موطا کا وہ نسخہ ہے جو یحییٰ بن یحییٰ اللیثی (م ۲۳۴ھ) نے مرتب کیا تھا۔ بنابریں موطا امام مالکؒ کو موطا امام شیبانیؒ سے موخر قرار دیا جانا چاہئے۔ اس اعتراض کے بارے میں دو باتیں کہی جاسکتی ہیں: اول یہ کہ خود شاخت نے موطا امام شیبانیؒ کو موطا امام مالکؒ سے موخر قرار دیا ہے اور اسی بنیاد پر کچھ نتائج اخذ کئے ہیں (دیکھئے: آغاز فقہ، ص ۱۴۳)، دوسرے یہ کہ اگر ہم موطا امام مالکؒ کو موطا امام محمدؒ سے موخر تسلیم کرلیں اور اس بنیاد پر اس کی روایات کا موطا امام شیبانیؒ کی روایات سے موازنہ کریں تو جو نتائج برآمد ہوں گے، ان سے شاخت کا وضع کردہ منہاج تحقیق کہیں زیادہ سنگین اعتراضات کی زد میں آجائے گا۔

۱۳۔ دیکھئے موطا امام مالک، ص ۳ و مابعد

۱۴۔ ملاحظہ ہو، ص۴۲ و مابعد

۱۵۔ ص۴۲

۱۶۔ ایک دل چسپ بات یہ ہے کہ امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ نے اپنی کتاب الحج (لکھنؤ، ۱۸۸۸ء، ص۱، و مابعد) میں اپنے فقہی مذہب کی آرا کی تائید جہاں بہت سی دوسری روایات کی سند پیش کی ہے، وہاں مؤطا امام مالکؒ کی مذکورہ بالا روایات کا حوالہ بھی دیا ہے۔

۱۷۔ ص۴۲

۱۸۔ ص۵۰

۱۹۔ ص۴۴

۲۰۔ ص۷۷

۲۱۔ ص۵۵

۲۲۔ ص۹۷

۲۳۔ ص۴۳ و مابعد

۲۴۔ ص۲۲

۲۵۔ ص۶۶ و مابعد

۲۶۔ ص۶۷ و مابعد

۲۷۔ ص۸۲

۲۸۔ ص۲۲۳

۲۹۔ ص۱۷۶

۳۰۔ ملاحظہ کیجئے: ص۲۸۵ و ص۲۸۳

۳۱۔ ص۵۲۴

۳۲۔ ص۲۳۹

۳۳۔ اس موقع پر اس روایت کا حوالہ نہ دینا اس بات کا ثبوت نہیں کہ امام شیبانیؒ اس روایت سے واقف نہیں تھے، کیوں کہ انہوں نے خود اپنی کتاب الحج کے ص۲۸۹ پر یہ روایت عین اسی اسناد سے نقل کی ہے جو ہمیں مؤطا امام مالکؒ سے ملتی ہے، اور پھر انہوں نے اپنی رائے کی بنیاد بھی اس روایت کو بنایا ہے، ہمارا دعویٰ بعینہ یہی ہے کہ یہ مفروضہ قطعاً بلا جواز ہے کہ ہر عالم ہر موقع پر ہر اس روایت کا

حوالہ دینا ضروری خیال کرتا تھا جو اس کے علم میں تھی، اسی طرح یہ فرض کرنے کی بھی کوئی بنیاد نہیں ہے کہ کسی عالم کی تحریر میں کسی روایت کا نہ ملنا اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ روایت سرے سے موجود ہی نہ تھی۔

۳۴۔ ص۲۶۲

۳۵۔ ص۵۶۶

۳۶۔ ص۳۳۰

۳۷۔ ص۶۲۳ و مابعد

۳۸۔ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ، امام ابو یوسفؒ سے نہ صرف کم عمر تھے. بل کہ ان کے شاگرد بھی تھے، امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ نے امام ابو یوسفؒ کی تالیفات کی تدوین بھی کی اور خود ان ہی موضوعات پر یا امام ابو یوسفؒ کی تالیفات پر مبنی کتابیں بھی مرتب کیں لیکن امام ابو یوسفؒ کی بیان کردہ روایات کی اچھی خاصی تعداد ایسی ہے جو امام شیبانیؒ کی ان ہی عنوانات کی تصانیف میں موجود نہیں۔ اس سے ان مفروضات کی صحت و صداقت کی کوئی بنیاد نہیں رہ جاتی جن کا ذکر ہم نے آغاز میں کیا ہے، اب اگر یہ مفروضات ہی پایہ ثبوت کو نہ پہنچ سکیں تو شاخت کی دلیل سکوت کی بنیادیں برقرار نہیں رہتیں۔

۳۹۔ ملاحظہ کیجیے: انصاری ''کوفے میں اسلامی فقہ کی ابتدائی نشوونما''، باب چہارم، حواشی ۱۱۵۔۱۱۶، ۱۱۶، اور ۱۲۰

۴۰۔ احادیث یا احادیث کے اسناد بھول جانے یا ان احادیث پر مشتمل کتب کے تلف ہو جانے، یا اپنے علم میں موجود سب ہی روایات کے حوالہ نہ دینے کا تذکرہ اگر صراحت سے دیکھنا ہو تو ملاحظہ ہو: امام ابو یوسف، کتاب الخراج) قاہرہ ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۶ء، ص ۵۷) اور امام شافعیؒ کا الرسالہ (مرتبہ احمد محمد شاکر، قاہرہ، ۱۹۴۰ء، ص ۴۳۱)، اس ضمن میں امام شافعیؒ کی مندرجہ ذیل باتیں قابل غور ہیں۔ امام شافعیؒ کا کہنا ہے کہ:

الف: انہوں نے اپنی کتاب میں کتنی ہی احادیث کو مقطوع یا غیر متصل کے طور پر درج کیا ہے، جب کہ ان تک وہ متصل اور مشہور کی حیثیت سے پہنچی تھیں، انہوں نے اس بات کو بہتر سمجھا کہ پوری طرح یاد نہ رہنے کی وجہ سے ان کو غیر متصل روایات کے طور پر ہی درج کر دیں۔

ب: ان کی متعدد تالیفات ضائع ہو گئیں، لہٰذا ان میں مذکور جو احادیث ان کو یاد رہ گئیں، ان کی

تصدیق دیگر علما سے کرائی گئی۔

ج: انہوں نے بہت سی راویات اس خوف سے حذف کر دیں کہ کتاب کی ضخامت بہت بڑھ جائے گی، امام شافعیؒ کے بہ قول بس اتنا ہی درج کیا گیا جو ضروری تھا اور ساری معلومہ احادیث کا حوالہ دینے کی کوشش نہیں کی گئی، ملاحظہ ہو: امام شافعیؒ کی کتاب الام۔ بولاق، ۱۳۲۱ء: جلد ششم، ص ۳ و ص ۱۷۲، نیز جلد ہفتم، ص ۴۱